انٹرویو مولانا رحمت اللہ ارشد

استاذ محترم مولانا رحمت اللہ ارشد صاحب بے شمار اوصاف کے حامل ایک ماہر استاذ ہیں۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اشرفیہ سے حاصل کی۔ بعدازاں ام القریٰ یونیورسٹی سعودی عرب داخلہ ہوگیا وہاں سے فراغت پر پاکستان آئے اور جامعہ لاہور الاسلامیہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دینا شروع کردیے۔ ۲۱ سال سے یہیں پڑھا رہے ہیں۔ مسلکاً دیوبندی ہیں۔ انتہائی معتدل نظریات کے حامل اور طلبہ کی ہردلعزیز شخصیت ہیں۔ پچھلے دنوں ماہنامہ 'رُشد' کے انٹرویو پینل نے آپ سے ملاقات کی جو قارئین 'رُشد' کی خدمت میں پیش ہے۔

[ادارہ]

رشد: اپنا نام، تاریخ پیدائش اور جائے ولادت بتائیں؟

مولانا: میرا پیدائشی نام رحمت علی ہے، مدرسہ میں آیا تو اساتذہ نے تبدیل کرکے رحمت اللہ رکھ دیا۔ اب اسی نام سے جانا اور پکارا جاتا ہوں۔ شاید کوئی سکول کا پرانا ساتھی رحمت علی کہہ دے تو کہہ دے ورنہ باقی رحمت اللہ ہی کہتے ہیں۔ نام کے ساتھ ارشد کا لاحقہ بھی ہے جو استاذ محترم مولانا ظفر احمد صاحب نے لگایا تھا۔ سعودی عرب میں عام طور پر کاغذات میں رباعی نام استعمال ہوتا ہے جب میرا داخلہ معہد سے کلیہ میں ہوا تو رباعی نام ضروری تھا میں نے پورا نام رحمت اللہ ارشد بن رحیم بخش لکھا جسے وہ رباعی نام ہی سمجھتے اور پڑھتے تھے جس کی رو سے رحمت اللہ نام ارشد باپ کا نام رحیم داد کا نام اور بخش قبیلہ کا نام تھا، لیکن دراصل میرا نام رحمت اللہ ارشد اور باب کا نام رحیم بخش تھا۔ والد صاحب کو تاریخ پیدائش لکھنے کی عادت نہیں تھی ہم سات بہن بھائیوں میں سے کسی کی بھی تاریخ پیدائش نہیں لکھی گئی شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اندازہ ہے کہ میری تاریخ پیدائش ۱۹۵۳ء ہوگی کیونکہ میرے بڑے بھائی قیام پاکستان کے ڈیڑھ سال بعد پیدا ہوئے اور میں ان سے چار سال چھوٹا ہوں۔ کاغذات میں میری سن پیدائش بعض ساتھیوں کے مشورہ سے ۱۹۵۹ء لکھی گئی ہے۔ مولانا رمضان سلفی صاحب (شیخ الحدیث

☆ متعلمین ثالثہ کلیہ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

جامعہ رحمانیہ) کے علاقہ کے قریب ہی میاں چنوں ہے، ساتھ ہی میرا پیدائشی گاؤں ہے جس کا نام L-36/14 ہے۔ اگرچہ اب نئی سڑک بننے سے راستے علیحدہ ہو گئے ہیں، لیکن پہلے جس اڈے سے شیخ رمضان صاحب اپنے گاؤں کو مغرب کی طرف جاتے تھے اسی اڈہ سے ہم مشرق کی طرف جاتے تھے۔

ش : آپ کے بہن بھائی کل کتنے ہیں اور ان کی مصروفیات کیا ہیں؟

مولانا : ہم کل ۹ بہن بھائی ہیں۔ جن میں سے سات حیات ہیں۔ ایک بھائی اور ایک بہن بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اب چھوٹے سے چھوٹا بھی ۴۰ سال کی عمر کو پہنچا ہوا ہے۔ ہم میں سے پانچ حافظ قرآن ہیں اور اسی دینی شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک عربی ٹیچر ہے۔ بڑے بھائی دارالقراء کے ناظم رہے ہیں۔ اب فارغ ہیں اور گھر پر ہی رہتے ہیں۔ مجھ سے چھوٹا گاؤں کی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے ساتھ ہی اس کا کپڑے کا اچھا خاصا کاروبار بھی ہے۔ اپنی ضروریات اسی کاروبار سے پوری کرتا ہے۔ مسجد پر بوجھ نہیں ہے۔ ایک ٹیلر ماسٹر ہے اور غیر حافظ ہے۔ ایک ٹورزم میں ملازم ہے یہ بھی غیر حافظ ہے۔ سب سے چھوٹا نابینا ہے، حافظ ہے اور تحفیظ القرآن کے شعبہ میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

ش : بچپن سے متعلق کچھ یاد ہیں؟

مولانا : گاؤں میں دین کا علم کلمہ سننے کی حد تک تھا۔ پردہ کے متعلق میں نے یہ سن رکھا تھا کہ یہ کان کا ہوتا ہے اونچی آواز نکالنے پر کہتے ہیں، یار کیا کان کے پردے پھاڑ رہے ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ شادی پر گیا نکلنے کے اردگرد سیمنٹ کی کوئی چیز لگی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی میرا ہم عمر انور نامی لڑکا کھیل رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا یہ کیا چیز ہے کہنے لگا پردہ ہے۔ اس کا یہ کلمہ سنتے ہی میں اپنی جگہ حیران و پریشان ہو گیا کہ کان میں اتنا بڑا پردہ ہوتا ہے۔ اسی شادی کے دوران کا واقعہ ہے۔ کمالیہ سے چیچہ وطنی کی طرف آتے ہوئے راستہ میں راوی پڑتا ہے جن پر کشتیوں کا پل تھا۔ سفر کے دوران جب اس پل کو طے کرنے کی باری آئی تو سب سواریاں اتر گئیں تاکہ کشتیوں کے پل پر سے گاڑی گزر جائے۔ مجھے یاد ہے کہ میں کھڑکی کے راستے نیچے نہیں آیا بلکہ والد صاحب نے شیشے سے باہر نکالا۔ ظاہر ہے عمر زیادہ نہیں تھی۔ ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۷ء میں حفظ شروع کیا۔ ۱۹۶۹ء میں مکمل ہو گیا، اسی دوران کی بات ہے کہ راوی میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ سیلابی کیفیت دیکھنے گئے ہمیں اس بارے زیادہ علم نہیں تھا۔ ہم کنارے تک چلے گئے۔ دور سے ایک آدمی نے آواز دی ''اوے دریا ڈھالائی پیا'' میں تو اس آدمی کی زبان نہ سمجھ سکا لیکن میرے ساتھی سمجھ گئے، ہمیں وہ آدمی وہاں سے دور لے گیا۔ تھوڑا دور ہوتا تھا کہ کنارے کا ایک بڑا حصہ یک دم دریا میں چلا

گیا۔ بس اللہ جس کو باقی رکھے اسے کون مار سکتا ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مدرسہ ماڈل ٹاؤن، جی بلاک میں اس وقت پیش آیا جب میں کمرے میں پنکھے کے نیچے ہوا لے رہا تھا۔ باہر سے ساتھی آیا اور پنکھے کے بٹن کو چھیڑتے ہوئے میری توجہ پنکھے کی طرف کرنے لگا کہ اس کو کیا ہو رہا ہے۔ میں نے پنکھے کی طرف ایک نظر دیکھا ہی تھا کہ پنکھا نیچے آ رہا تھا ایک سیکنڈ کے لئے درمیان میں رکا میں نے ایک طرف چھلانگ لگا دی اور پنکھا میری پہلی جگہ آن پڑا۔

شد : والدین یا اساتذہ سے کبھی سزا ملی؟

مولانا : حفظ میں تو تلفظ پر پٹائی بھی ہوتی ہے اور مجھے بھی تلفظ پر بہت چھڑیاں پڑیں۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ یہ ذہن میں آتا تھا کہ قاریوں کو کہوں مجھے قاری بنانے کو رہنے دو سیدھا سادھا قرآن سکھا دو۔ علمی گھرانہ نہ ہونے کے باعث تلفظ مشکل تھا، لیکن جب میں نے کتابیں پڑھنی شروع کیں صرف ایک دفعہ تھپڑ پڑا تھا وہ اس لئے کہ میں استاذ کے پاس کسی اور پیریڈ کی کتاب لے گیا میں کلاس میں اکیلا تھا انہیں غصہ تھا کہ میں ذہنی طور تیار کیوں نہیں تھا۔ کبھی کبھار غیر حاضری پر بھی سزا مل جاتی تھی۔

والد صاحب سائیکل پر کپڑا فروخت کرتے تھے ایک دفعہ باہر سے سائیکل پر آئے ظاہر ہے کہ اس طرح محنت کر کے آنے پر دماغ گرم ہوتا ہے۔ میں چھوٹے بھائیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کسی بھائی کے پاؤں آگے ٹانگ کی وہ اُلجھ کر گر پڑا۔ اس وقت والد صاحب کا تھپڑ جو مجھے پڑا آج بھی یاد ہے، ورنہ والد صاحب کی یہ رائے تھی کہ اس نے مجھ سے مار نہیں کھائی۔

شد : گھر کا ماحول کیسا تھا؟

مولانا : والد صاحب نے ابتداء بکریاں چرائیں۔ ہمارا تعلق انصاری برادری سے ہے۔ جن کا پیشہ کپڑا بننا ہے لیکن یہ پیشہ اختیار کرنے کے بجائے والد صاحب سائیکل پر کپڑا بیچتے تھے۔ چچا وغیرہ کاشت کاری کرتے تھے۔ والد صاحب بالکل اَن پڑھ تھے ہاں ناظرہ قرآن مجید ضرور پڑھا تھا۔ الحمدللہ پابند صوم وصلوٰۃ ہیں اور میرا خیال ہے کہ تہجد بھی کبھی نہیں چھوڑی شاید انہی کے عمل اور دعا کا نتیجہ ہے کہ اللہ ہم سب سے دین کا کام لے رہا ہے۔

کیوں کہ حدیث نبویؐ ہے:

''جو کوئی آدمی اپنا آئیڈیل اللہ کو بنا لیتا ہے اللہ اس کی تمام ضرورتیں اسی طرح پوری کرتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اور جس نے اپنے آئیڈیل الگ بنا لئے اللہ کو کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کس وادی میں جا گرے۔''

بڑے بھائی کی شادی کی فکر انہیں تھی باقیوں کے بارے کچھ نہیں سوچا۔ اللہ نے خود ہی اسباب پیدا کردیئے۔ اس کے بعد ایسے اسباب پیدا کئے کہ جائیداد نہ ہونے کے باوجود سب کے گھر اچھی طرح چل رہے ہیں انہیں اب بچوں اور بچیوں کی طرف سے کوئی فکر نہیں۔ انہیں بریلویت، دیوبندیت اور اہل حدیث بارے کوئی خبر نہیں۔ البتہ نانے کا بڑا بیٹا سب سے پہلے مدرسہ میں آیا تو اس کے واسطے سے کچھ پتہ چلا۔ اب سب گھر والے توحید پر ہیں۔ پہلے بھی پابند صوم وصلوٰۃ تھے اب بھی ہیں۔ میرے ماموں کہتے ہیں کہ ہم نے ایک جلسہ کروایا۔ میری ڈیوٹی لگی کہ مولانا امیرالدین کو بھٹنڈا اسٹیشن سے لانا ہے۔ میں اسٹیشن پر اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا مجھے بھاگتا دیکھ کر مولانا نے پہچان لیا اور کہا مولوی کو تلاش کررہے ہو، کہا ہاں۔ کہنے لگے میں ہی ہوں لے چلو۔ باہر اونٹ کھڑا تھا مولوی صاحب کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ مولوی صاحب نے پوچھا کون کون آیا ہے؟ کہتے ہیں جب انہیں مہمانوں بارے علم ہوا تو فرمانے لگے: ''ہمیں ایک جگہ نہ رکھنا''

ضد: کس ایما پر مدرسہ آنا ہوا؟

مولانا: تایا کا بیٹا مدرسے آیا۔ جس سے گھر والوں کا رجحان مذہب کی طرف بڑھا۔ سکول کے اساتذہ بہت اچھے ملے۔ حاجی علی محمد صاحب نمازی تھے اور ہماری نماز کی حاضری لگواتے تھے۔ اپنی قسمیں دے کر پوچھتے تھے کہ جھوٹ کی گنجائش ختم ہوجاتی اور جواب نفی کی صورت میں ہوتا تو ڈنڈے بھی پڑتے۔ انہوں نے والد صاحب کو مشورہ دیا کہ اوّل تو سکول پڑھا نہیں سکو گے اگر پڑھا لیا تو کہاں سے سفارش لاؤ گے کہ بچے ملازمت کریں۔ بہتر ہے دین پر لگا دو۔ اللہ کسی کو دین کی خدمت کے لئے منتخب کرلے تو اسباب پیدا ہوجاتے ہیں۔ حفظ کے بعد والد صاحب بیمار ہوگئے۔ میں نے سوچا کوئی کام سیکھ کر والد کا ہاتھ بٹاؤں اس طرح پورا سال ضائع ہوگیا پھر انہی کی حوصلہ افزائی سے تعلیم کا سلسلہ بحال ہوا۔

ضد: اہل حدیث کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی فرمائیں؟

مولانا: اہل حدیث کی خوبی یہ ہے کہ وہ صرف قرآن وسنت ہی کی اتباع کرتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ نجات کا دارومدار اسی بات پر ہے۔ خامی یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں اپنے اجتہاد کو قرآن وسنت کا نام دے کر اسے اس طرح امت کے ہر فرد پر لازم کر دینا کہ دوسری سائیڈ پر اس فرد کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ نتیجتاً افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں اور سخت قسم کے فتوے سرزد ہوتے ہیں جن کی زد میں عظیم ہستیاں بھی آجاتی ہیں۔

ضد: مدرسہ کی انتظامیہ اور طلبہ کا آپ کے ساتھ بطورِ حنفی کیا رویہ رہا؟

مولانا: پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ طلبا اور اساتذہ کا بہت اچھا رویہ ہے۔ انتہائی محبت ملی ہے، استاد جن

کی اکثریت کے ساتھ میرا استادی شاگردی کا بھی رشتہ ہے۔ ہم عصر اساتذہ سب انتہائی محبت کرنے والے ہیں کبھی ہمارے درمیان توں تکار یا چپقلش نہیں ہوئی مجھے کسی استاد سے شکوہ نہیں ہے اور امید ہے اساتذہ کو بھی مجھ سے کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔ باقی اللہ زیادہ علم رکھتا ہے۔ انتظامیہ کا رویہ بھی بہت اچھا ہے میں یہی سمجھتا ہوں کہ اگر چھوٹی موٹی شکایت آتی بھی ہے تو اسباق کی تقسیم کا مسئلہ میں، علاوہ ازیں مجھے انتظامیہ سے کوئی شکوہ نہیں رہا۔

ﷲ : اس ادارہ میں جہاں اہل حدیث اساتذہ ہیں وہیں حنفی اساتذہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے ہیں، اس حوالے سے ادارے کو کیا منہج اختیار کرنا چاہیے؟

مولانا : الحمد للہ ثم الحمد للہ آزاد فضا والا ماحول پیدا کرنے کے لیے یہ ابتدا ہوئی ہے، لیکن یہ ماحول پیدا کرنے کے لیے کافی محنت کی ضرورت ہے، اس بات کو مثال سے واضح کروں گا۔ مسلمانوں کا کہنا ہے بلکہ کئی کتب میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ تقابل ادیان کے موجد وہ لوگ ہیں کہ جن میں سرے سے برداشت نہیں تھی حتی کہ ایک عیسائی فرقہ دوسرے فرقہ پر غلبہ حاصل کر لیتا تو خون کی ندیاں بہا دیتا یہی حالت یہودیوں کی تھی۔ مسلمان پہلی قوم ہے جس میں اقلیت اور ذمی کے حقوق روکھے گئے ان کو ان کی جان کا تحفظ دیا گیا اور جب اکٹھے رہے تو بین المذاہب بحث مباحثے بھی ہوئے ایک دوسرے کو سمجھانے کی کوشش بھی کہ کون حق اور کون باطل پر ہے۔ اب ہمارے مدارس میں اسی ایک مدرسہ میں نہیں بلکہ سب مدارس میں اس طرح کا ماحول پیدا ہونا چاہیے کہ یکطرفہ ٹریفک چلنے کے بجائے آزاد فضا میں ایک دوسرے کو سنا اور سنایا جا سکے تو ان شاء اللہ شاید یہی بات امت کے درمیان فرقہ واریت کو ختم کرنے کا سبب بن جائے اور ہمارے اندر برداشت کا مادہ پیدا ہو جائے۔ ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے واقفیت حاصل ہو جائے۔ اس کی ابتدا اس مدرسہ کی حد تک دیکھ رہا ہوں، لیکن ظاہر ہے اس کو ابتدائی گٹھلی ہی کہیں گے۔ بڑی بڑی عظیم ہستیاں اس خواہش میں کہ یہ عدم برداشت کا رویہ جس نے امت کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے، ختم ہو جائے، لیکن سب کے آخری کلمے مایوسی کی طرف ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ سے اس مسئلہ میں امامت کا کام لے لے تو بری خوش نصیبی ہو گی۔

ﷲ : فقہ اور اصول فقہ بارے اہل حدیث مدارس کو کیا پیغام دیں گے؟

مولانا : طلبہ کو جس حد تک اس کا علم ہونا چاہیے تھا اس قدر نہیں ہے۔

ﷲ : حدیث کی تدریس بارے احناف کو کیا طریق کار اور اسلوب اختیار کرنا چاہیے؟

مولانا : یہ بات درست ہے کہ حدیث میں دلائل اور راجح و ترجیح کی باتیں ہیں جنہیں ابتدا میں سمجھنا مشکل ہوتا ہے، لیکن جہاں تک اخلاقیات، محض احکام اور مستدلات بننے والی احادیث ہیں ان کا

ترجمہ شروع سالوں میں ہونا چاہیے۔ جب ہم نے پڑھا تھا تب یہ بات نہیں تھی، لیکن اب وفاق کے سلیبس میں اس کمی کو دور کر دیا گیا ہے۔ زاد الطالبین اور ریاض الصالحین کی طرح کی کتابیں عامہ اور خاصہ کے نصاب میں شامل ہیں۔

للہ : حنفیت اور اہل حدیثیت میں کس رویہ کی عکاسی ہو تو فرقہ واریت وانتہا پسندی کا خاتمہ ہو سکتا ہے؟

مولانا : اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے ایک ذہن اور ایک لائن پر آجائیں تو یہ ممکن نہیں۔ اجتہاد اس بات کا متقاضی ہے کہ اس میں اختلاف ہو، یہ صفت حسن ہے اسی لیے اس میں خطا بھی قابل مواخذہ نہیں بلکہ ثواب کی نوید ہے۔ اجتہاد میں خطاء اور ثواب ہر دو حال میں حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اناڑی ڈاکٹر علاج کرتے ہوئے مریض کو قبر میں پہنچا دے اس پر مواخذہ ہو گا، لیکن اگر مستند ڈاکٹر کے علاج پر مریض قبر میں پہنچ جائے تو مواخذہ نہیں ہوتا۔ یہی حال اجتہاد کا ہے۔ تقلید بھی انہیں مجتهد فيه مسائل میں ہوتی ہے صریح مسائل میں نہیں ہوتی۔ شاہ صاحب اسی بارے فرماتے ہیں کہ "لو لا الظنون لما قلد أحد بمجتهد" "مجتہد ظنوں کے وقت ایک طرف کو ترجیح دیتا ہے" اور اسی کو لینا تقلید کہلاتا ہے، لیکن اجتہاد اس وقت کیا جاتا ہے جب نئے مسائل پیدا ہو جائیں یا نصوص نئے آجائیں یعنی علم پہلے سے مختلف ہو جائے جو مسائل پچھلوں میں موجود تھے ان میں اجتہاد بے معنی ہے۔ سلف مجتہدین میں اس قدر اختلاف ہے کہ راجح مرجوح کے سوا چارہ ہی نہیں اس طرح کے اختلاف پر اپنوں کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔ جب مل بیٹھیں گے تو ان شاء اللہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے گا اور دلوں میں وسعت پیدا ہو گی۔ شاید اس اختلاف میں بھی کمی آجائے جو سطحی نظر رکھنے والی عوام میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ صاحب علم ابھی بھی اس قدر متشدد نہیں ہر دو طرف یہی صورت ہے۔

للہ : آپ حنفی مدارس اور سعودی سلفی جامعات میں زیر تعلیم رہے نصاب تعلیم خصوصا نحو، صرف، عقائد، فقہ وحدیث کے بارے میں آپ کی کیا سفارشات ہیں؟

مولانا : حنفی مدارس میں گرامر کو جس طرح پڑھایا جاتا ہے خصوصا عجمیوں میں وہ کافی حد تک گہرا ہے اور اچھا طریقہ ہے۔ خود حیران ہوں کہ حنفی کتاب جو مجھے یہاں پڑھانے کا موقع ملا اس طرح کی کتاب سے میرے علم میں اضافہ ہوا ہے۔ شرح عقیدہ طحاویہ عقائد بارے بہترین کتاب ہے۔ گرامر کی کتابوں کے پڑھانے سے خاص اثر نہیں پڑتا بلکہ مشق کرنے سے اثر پڑتا ہے۔ جن بچوں کو اچھی مشق کروائی جائے تو اچھے بچے سامنے آتے ہیں۔ ابتدا کا زیادہ تعلق تمرین سے ہے کتاب جونسی مرضی ہو حدیث کے بارے میں یہ کہوں گا کہ جب تک اُصول کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک راجح مرجوح اور قرائن کا پتہ نہیں چل سکتا۔ یہ باتیں آخری کلاسوں

میں ہوتی ہیں۔ حنفی مکتبہ فکر کے مدارس میں وہ حنفی فقہ پڑھائیں گے خاص طور پر ابتدائی سالوں کے بچوں کو۔ فقہ کی شروع کی پڑھائی جانے والی کتابوں میں دلائل ذکر نہیں ہوتے اور ظاہر ہے طالب علم کو صرف احکام یاد کروائے جاتے ہیں۔ دلائل کی پرکھ اور منطبق کرنا مشکل کام ہے۔ آخر میں پڑھائی جانے والی کتب میں دیگر کے مسالک اور دلائل ہوتے ہیں اسی طرح حدیث میں موازنہ دلائل ترجیح سب ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم نے پڑھا ہے کہ چاہے سامنے اپنی ہی کتاب ہوتی ہے لنا لہم آہی جاتا ہے۔ آخری کلاسوں کی کتب نام کے اعتبار سے اگرچہ حنفی فقہ کی ہوتی ہیں، لیکن پڑھانے کا طریقہ بدایۃ المجتہد کا تھا۔ سعودی عرب میں یہ دونوں باتیں ہیں ہمیں روض الربع (فقہ حنبلی کی کتاب) پڑھائی گئی لیکن جن کا فقہ کا تخصص ہے ظاہر ہے انہیں ھدایۃ وغیرہ پڑھائی جاتی ہوں گی جو فقہ المقارن میں آتی ہیں یعنی سب مذاہب نقل کرتی ہیں۔

شد: دورانِ تعلیم شادی کے بارے کبھی سوچا؟

مولانا: کبھی اس مسئلہ پر نہیں سوچا تھا، لیکن ظاہر ہے انسانی حاجت ہے اور ۲۰ سے ۲۲ سال عمر کا وہ حصہ ہے جسمیں ذہن اسطرف جاتا ہے کہ کاش شادی ہو، اگرچہ یہ خواہش کم ہی پوری ہوتی ہے۔

شد: آپ کی شادی کب اور کس طرح ہوئی؟

مولانا: شادی ۱۹۸۰ء سگے چچا کے گھر میں ہوئی غالباً نومبر کا مہینہ تھا۔ شاید پہلے ہی بھائیوں نے آپس میں طے کر رکھا تھا۔ ہمارے علم میں عین وقت پر لایا گیا۔ میں انکاری تھا اور بھاگ جانا چاہتا تھا وجہ صرف نفسیاتی دباؤ تھا کہ اس اشتہاری مہم سے متاثر نہ ہوں، لیکن الحمدللہ اللہ نے جو لکھا تھا شادی ہوگئی بہت اچھا وقت گزرا۔ پہلی بیوی کے ساتھ ۱۴ سال گزارے۔ اب اس کی بہن ہے اس کے ساتھ ۱۲ سال ہوگئے۔ بچے جوان ہیں اب ان کی فکر ہے۔

شد: آپ کی اولاد کتنی ہے؟

مولانا: پہلی بیوی سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ دوسری سے صرف دو بچیاں ہیں۔ ابھی تک کسی کی شادی نہیں ہوئی۔ بڑا بیٹا اس سال عالمیہ کا امتحان دے گا اس کے بارے میں خیال ہے کہ اس سال کے اختتام پر اس کی شادی کے بارے طے کروں گا۔ بڑی بیٹی نے میٹرک کیا ہوا ہے اور اس سال عالمیہ کا امتحان دے گی۔

شد: اُم القراء میں آپ کا داخلہ کس طرح ہوا؟

مولانا: الحمدللہ اُم القریٰ میں داخلہ بڑی سعادت تھی۔ ظاہری اسباب بالکل نہیں تھے۔ میرا داخلہ حکومتی ادارے کی سفارش مدرسے کی طرف سے یا کسی شخصیت کے تعاون سے نہیں ہوا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا بلکہ اس نام کی یونیورسٹی کو جانتا ہی نہیں تھا میں نے کاغذات مدینہ

یونیورسٹی کے لئے تیار کئے۔ ایک دوست میرے ساتھ جارہا تھا اس نے کہا خرچہ تو ہوگیا ہے اب صرف فوٹو کاپی کروانی پڑے گی۔ لہٰذا اس نے خود فوٹو کاپی کروائی کوئی آٹھ روپے مزید خرچ ہوئے۔ اسی نے ایڈریس لکھا اور فارم بھیج دیئے جب واپس خط آیا تو مجھے اس یونیورسٹی کا علم ہوا۔ یہ ۱۹۸۲ء کا واقعہ ہے۔

محدث : آپ کی تعلیم کیا ہے؟

مولانا : پرائمری کے بعد مدرسہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۹ء میں حفظ مکمل کیا۔ جب تک مدرسہ میں تھا ان اساتذہ سے لگاؤ تھا جو بورڈ کے امتحان سے دور رکھتے تھے۔ اس لئے اس دوران کوئی امتحان نہیں دیا۔ جامعہ اشرفیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد علماء اکیڈمی میں داخلہ کے لئے امتحان دیا، پاس ہونے پر داخل ہوگیا۔ یہ اکیڈمی محکمہ اوقاف کے تحت تھی اور یوسف گورایہ صاحب اس کے ڈائریکٹر تھے۔ اب فوت ہوگئے ہیں وہی اس کام کے محرک تھے۔ پہلے صرف امام اور مؤذن کے لئے کورس ہوتا تھا انہوں نے کہا کہ ہمیں اچھا علماء کو بھی تیار کرنا چاہئے، جنہیں آج کی زبان میں جدید سکالر کہہ سکتے ہیں۔ سکول کے امتحان کی ترغیب انہوں نے دلائی شام کے وقت انگریزی کا استاد رکھا۔ اسی دوران میٹرک پاس کیا۔ ایف اے کا امتحان دیا لیکن گندم کی کٹائی کے باعث پورا وقت نہیں ملا۔ امتحان کے لئے آتا جاتا تھا۔ لہٰذا انگلش میں رہ گیا۔ اس کے بعد اُم القریٰ داخلہ ہوگیا۔ لہٰذا دوبارہ ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ اس طرح اُم القریٰ سے بی اے کی ڈگری کے علاوہ معہد سے اتمام الدراسة کی سند لی۔ ایک موقع پر مفتی محمودؒ نے دورۂ تفسیر کروایا تھا جب کہ وہ اس وقت بھٹو کے خلاف اپوزیشن لیڈر تھے۔ ان سے دورۂ تفسیر کی سند لی۔ عربی فاضل کی سند بھی میرے پاس ہے۔

محدث : آپ نے اپنے اَساتذہ کو کیسا پایا؟

مولانا : پرائمری کے دوران پہلے استاد حاجی علی محمد تھے۔ انتہائی قابل اور مخلص استاد تھے۔ علماء اکیڈمی میں رہتے ہوئے جہاں پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر حضرات سے استفادہ کا موقع ملا وہاں مدرسہ کے علماء اہل حدیث مثلاً عبدالرحمٰن مدنی، عبدالسلام کیلانی سے شاگردی کا تعلق قائم ہوا اور استفادہ کا موقع ملا اس دوران علماء اکیڈمی کے لئے لکھے گئے مقالے میں عبدالسلام کیلانی کا نام اب بھی موجود ہوگا انہوں نے کئی مسئلوں میں میری اچھی رہنمائی کی۔ مولانا عبدالرحمٰن مدنی وہاں فلسفة التشريع الإسلامي پر لیکچر دیتے تھے۔

علماء دیوبند میں چوٹی کے علماء سے استفادہ کا موقع ملا۔ مولانا عبداللہ، جن کو ساہیوال میں ہم بڑے مولانا کہا کرتے تھے ان کے علاوہ مولانا مختار اور مولانا یوسف لدھیانوی، جو کہ اقراء روضة

الاطفال کے بانی تھے، سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مولانا یوسف لدھیانوی جو خود کئی اعلیٰ کتب کے مصنف تھے۔ مولانا عبداللہ کے بارے یہ رائے رکھتے تھے کہ میری نظر میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ مولانا سرور صاحب جو اس وقت بھی جامعہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث ہیں میرے استاد ہیں، مولانا مالک کاندھلوی سے میں نے بخاری شریف پڑھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب سے صرف پڑھی اب وہ اپنے ہی ایک ادارہ خالد بن ولید کے مہتمم ہیں۔ یہ ادارہ وہاڑی کے قریب ہے۔

اساتذہ کثرت کے ساتھ مکہ مکرمہ کے تھے۔ دوسرے ملکوں سے اسلامی خدمات کے باعث جلاوطنی کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے سید سابق، سید محمد قطب، مصطفیٰ کامل، شیخ عبدالعزیز حلاف شامل ہیں۔ مصطفیٰ کامل علم نفسیات پڑھاتے تھے اس پر لکھی گئی کتاب سید محمد قطب کی تھی۔ فقہ شیخ عبدالعزیز حلاف پڑھاتے تھے۔ بڑے صاحب ورع وتقویٰ تھے۔ سعودی راستے میں جب بھی ملتے مسکراتے ہوئے ملتے اور یہ فرماتے "من الموفقين إن شاء الله"

اللہ: جامعہ رحمانیہ میں تقرر کس طرح ہوا؟

مولانا: جب اُم القریٰ میں میرا داخلہ ہوا تو اس وقت میں مولانا ظفر احمد کی زیرنگرانی جامعہ اسلامیہ شورکوٹ میں پڑھا رہا تھا۔ پھر داخلہ بارے طے ہوگیا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اگر اجازت دیں تو باہر تعلیم کے لئے چلوں؟ انہوں نے فرمایا تدریس کے مواقع مل ہی جاتے ہیں بیشک پڑھنے جاؤ، لیکن یہ لکھ دو کہ جب واپس آؤ گے تو میرے کہنے پر کہیں کام شروع کرو گے چنانچہ میں نے انہیں لکھ دیا اور تعلیم کیلئے سعودی عرب چلا گیا۔ جب واپس آیا تو سال کا درمیان تھا۔ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ میں خود انتظامیہ کے تحت کام کررہا ہوں۔ لہٰذا سال کی ابتداء میں ہونے والے اجلاس میں تمہارے بارے فیصلہ ہوگا۔

اسی دوران کسی ساتھی نے میرے بارے مولانا عبدالرحمٰن مدنی صاحب سے تذکرہ کیا کہ تمہارا شاگرد ہے اور وہاں سے پڑھ کر آیا ہے اگر مناسب سمجھیں تو انہیں تدریس کا موقع دیں۔ مولانا نے مثبت جواب دیا۔ یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔ میرا تقرر یہاں ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو ہوا۔ ۲۱ سال ہونے کو ہیں یہاں تدریس کررہا ہوں۔ ان اساتذہ نے دوبارہ دعوت دی، لیکن میں نے کہا جہاں اللہ نے رزق لکھ دیا، جب تک مدنی صاحب جواب نہیں دیں گے میں نہیں چھوڑوں گا جب وہ جواب دیں گے تم سنبھال لینا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اہل حدیث بہت خشک ہوتے ہیں لیکن میں نے خصوصاً طلبہ کو بہت محبت اور عزت کرنے والا پایا اور ساتھی اساتذہ نے بھی کبھی شکوہ کا موقع نہیں دیا، نہ سخت مواخذہ ہے باقی عیوب سے پاک ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ صرف خواہش کے مطابق مل جانا جنت میں ہے دنیا میں کہاں۔ کچھ قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور کچھ

دوسروں سے ملتی ہیں

ش : اُم القریٰ کا ماحول کیسا پایا؟

مولانا : یہاں جس طرح پنجاب یونیورسٹی کا ماحول ہے اسی طرح کا آزاد ماحول ہے۔ مدینہ یونیورسٹی میں سنا ہے کہ ٹی وی وغیرہ رکھنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے، لیکن اُم القریٰ میں اس طرح نہیں۔ اُم القریٰ مکمل یونیورسٹی ہے اور مدینہ یونیورسٹی کے برعکس تمام شعبہ جات ہیں۔ یہ مقامی کلیہ کے لئے ہے۔ پنجاب یونیورسٹی سے صرف اتنا فرق ہے کہ یہاں مخلوط طرزِ تعلیم ہے اور وہاں غیر مخلوط۔ اچھی باتیں بھی ہیں، اتنی گھٹن بھی نہیں ہونی چاہئے کہ بچے آزادانہ نہ سوچ سکیں اور مکمل چھٹی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کسی کی پابندی میں نہ آئیں۔ اسلام اعتدال کا نام ہے۔

ش : اپنی زندگی کا خوشگوار اور ناخوشگوار ترین واقعہ بتائیں؟

مولانا : جب اللہ تعالیٰ نے حرم شریف کی زیارت کا موقع بخشا تو یہ میری زندگی کا خوشگوار ترین موقع تھا کچھ اس طرح طبیعت رہی۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

جبکہ میری زندگی کا ناخوشگوار ترین واقعہ رفیقہ حیات کی حادثاتی موت تھی (یہ کہتے ہوئے استاذِ محترم کے آنسو نکل پڑے)

ش : ملکی سیاست پر تبصرہ فرمائیں؟

مولانا : کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ ضیاء الحق کے زمانہ میں ذہن اس کے خلاف تھا، لیکن جب وہ فوت ہوگیا، اللہ انہیں جنت میں جگہ دے، تو ذہن اس بات کا معترف ہوگیا کہ جو سیاست وہ چلا رہا تھا وہی سیاست ہمارے لئے بہتر تھی بلکہ ایک موقع پر اس سوال کے جواب میں کہ فوت شدگان میں سے کون سا سیاستدان آپ کو محبوب ہے، میں نے شاہ فیصل، ضیاء الحق اور مولانا مفتی محمود (بھٹو دور کے اپوزیشن لیڈر) کا نام لیا تھا۔ حقائق کیا ہیں اس بارے علم نہیں لہٰذا تبصرہ مشکل ہے۔

ش : عصری تعلیم کے بارے آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا : اس طرح سے نہ ہو کہ ہمارے مدارس رجال کار سے خالی ہوجائیں۔ پہلے یہ بات تھی کہ مدارس کی طرف لوگوں کا رجحان کم تھا اب یہ نہیں رہا نیز قومی تربیت اور اصلاح کی سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شدید ضرورت ہے کہ وہاں پختہ دین کے علماء موجود ہوں وہ علماء سکولوں، کالجوں سے نہیں بلکہ مدارس سے تیار ہوں گے اور بالمشاہدہ ہم دیکھ بھی رہے ہیں کہ جب سے علماء پر سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے دروازے کھلے ہیں اس وقت سے اچھی

خاصی تحریک پائی جارہی ہے۔لوگ اسلام کے قریب آرہے ہیں۔
ٹھیک ہے کہ مدارس کلاشنکوف نہیں سکھاتے لیکن جس طرح دوسرے اداروں کوحق حاصل ہے کہ وہ اپنے ذہنوں کے مطابق قوم کے ذہن بناتے ہیں ہم اُمت مسلمہ کوبھی یہ حق حاصل ہے کہ سامنے بیٹھنے والوں کومسلمان بنائیں اوران کی ذہن سازی اس طرز پرکریں کہ وہ دوست اور دشمن کی پہچان کرسکیں۔

شذ : درس نظامی کا آٹھ سالہ دورانیہ کم ہے یا زیادہ؟

مولانا : بڑی سوچ وفکر کے بعد علمائے درس نظامی کے سلیبس کوترتیب دیا ہے اگرچہ اب منطق وغیرہ کی ضرورت نہیں،لیکن ادب کوکسی صورت بھی نہیں نکالا جاسکتا،قرآن وحدیث کو جاننے کے لئے ''محاورات کا استعمال اور درست زبان' کے لئے اس قدیم ادب پر توجہ ضروری ہے۔ٹھیک ہے ہمیں زبان بولنی نہیں آتی،لیکن ہماری ضرورت زبان کی نسبت یہ زیادہ ہے کہ یہ کلمہ پیارے نبی ﷺ کے زمانے میں کن معانی میں مستعمل تھا یا کوئی محاورہ کیا معانی رکھتا تھا۔اس کے لئے اس دور کا ادب زیادہ معاون ثابت ہوگا۔پہلے یہ باتیں تھیں کہ بچے زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا اسی وقت کے مطابق مناسب سانصاب تیار کیا جائے جسے پڑھ کر ماں باپ کا سہارا بن سکیں۔اب جبکہ ایسے بچے مدارس کی طرف رجوع کررہے ہیں جن کومعاشی پریشانی نہیں تو نصاب کوکئی مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ تخصصات کے لیے بھی انتظام ہوتو بہت ہی اچھا ہوگا۔

شذ : آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟

مولانا : اللہ ایمان پرخاتمہ کرے اورمؤمن کی تمنا تو شہادت ہی رہی ہے۔

"اللھم ارزقنا شھادة فی سبیلك"

بعض لوگ مولانا قاسم نانوتوی جو دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں کے اس شعر کوتنقید کے طور پر لیتے ہیں، میں اسے اچھا سمجھتا ہوں۔

آرزوئیں لاکھوں پر بڑی اُمید ہے یہ　　　کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں　　　مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھے مرغ و مار

شذ : کون سا کھیل پسند تھا؟

مولانا : دیہاتوں میں کھیلے جانے والے تمام کھیل ہی کھیلے ہیں۔ ہمارے ہاں 'کھوتا کوڈی' کھیلی جاتی ہے۔ میں اسے پسند کرتا تھا۔سکول اور مدرسہ میں فٹ بال کھیلتا رہا۔مدرسہ میں ''وانجو'' بھی کھیل لیا کرتے تھے۔لیکن کسی بھی کھیل کا اچھا کھلاڑی نہیں بن سکا۔ابتدائی کلاسوں میں نہیں کھیلتا تھا

۔بڑے مجھے صوفی کہتے تھے جب کہروڑ پکا چلا گیا تو کھلے میدان اور اساتذہ کی رغبت دلانے پر فٹ بال کھیل لیتا تھا۔ اس وقت کے میرے اساتذہ میں سے مولانا عبدالمجید کہروڑ پکا اور سید جاوید حسین قابل ذکر ہیں۔ یہ اساتذہ ہمارے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔

رشد : رُشد کے قارئین کو کیا پیغام دیں گے؟

مولانا : طالبعلم کیلئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مجاہد ہے اور جہاد میں جو ایجنڈ یا سرا اس نے سنبھالا ہوا ہے وہ علمی خدمت ہے۔ ہر چیز سے پہلے نصابی کتب میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں اور انہیں اس طریقے سے پڑھیں کہ حل کرنے تک حل کر سکیں کہ کل اگر اسی منصب یعنی منصب تدریس پر خدمت کا موقع ملے تو فرض اچھی طرح نبھا سکیں۔اس کے بعد تمام باتیں دوسرے نمبر پر ہیں۔ طالب علم پر جملہ اخراجات اس مقصد کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں کہ ایسی جماعت تیار ہو جو دینی معاملات میں عوام کی رہنمائی کر سکے تو لازمی ہے کہ طالب علم زیور تعلیم سے حقیقی معنوں میں آراستہ ہو اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ اساتذہ کی بات کو غور سے سنے، حاضری کو یقینی بنائے، سنجیدہ ہو کر سلیبس کو لے، زائد نفع کی باتیں اساتذہ سے پوچھے، نہ سمجھ آنے پر اساتذہ سے رہنمائی لے حتیٰ کہ کل اگر خود اس منصب پر فائز ہو تو اچھی رہنمائی کر سکے۔ اگر یہ سب کیا تو تو امانت ادا ہوئی وگرنہ مقصد کو فوت کر دیا۔

رشد : رشد کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

مولانا : ماشاء اللہ بچوں کا بہت اچھا رسالہ ہے۔ پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اچھے موضوعات اور علمی مباحث دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ اس میدان صحافت میں علماء کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ یہ دور ہی صحافت کا دور ہے۔لوگوں کے پاس آپ کی مجالس اور محافل میں شریک ہونے کا وقت نہیں لکھی لکھائی چیز اپنے گھر چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جہاں تک دنیا چلی گئی ہے۔ میڈیا میں خیالات آخر انسانوں کے ہوتے ہیں۔اس طرح کے اسٹیشن بنائیں اور اسی انداز میں کفر کا توڑ کریں جس طرح کفر نے اسلام پر یلغار کی ہوئی ہے۔ صحافت گٹھلی ہے یعنی ابتدائی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی ہے۔ صرف درس و تدریس تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ آگے آنا چاہئے۔ ظاہر ہے حکومت والے وسائل اور باتیں ہمارے پاس کہاں لیکن جتنے وسائل میسر ہوں انہیں استعمال کرتے ہوئے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ یہ رسالہ اور بھی احسن انداز میں چلانا چاہئے اور یہ شوق پیدا کرنا چاہئے کہ یہ بھی اسلامی خدمت کا ایک میدان ہے۔ آخر میں ادارہ رشد کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اپنی گزارشات 'رشد' قارئین کے سامنے پیش کرنے کا موقع دیا۔